بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِين، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين، أَمَّا بَعْدُ:

51-اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونے کا بیان (حصہ دوم)

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ الحرانی رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔

اور پچھلے درس میں ہم بات کر رہے تھے "صفة الإستواء على العرش" (اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونے کا بیان)، اور جو پہلی دلیل ہے جو پہلی آیت ہے اس کے تعلق سے ہم پچھلے درس میں بات کر چکے ہیں اور جہاں پر رُکے تھے وہیں سے آج کے درس کا آغاز کرتے ہیں، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

2-"الموضع الثاني": دوسری جگہ (یا دوسری دلیل، یا دوسری آیت) جو شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے بیان کی ہے وہ سورۃ یونس کی آیت نمبر 3 ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (یونس:3) إلى آخر الآية (آیت کے آخر تک)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): ہم اس آیت کے تعلق سے وہی بات کرتے ہیں جو پچھلی آیت میں ہم بات کر چکے ہیں (جو آیت پہلے گزر چکی ہے جو ہم بات کر چکے ہیں) اس آیت کے بھی وہی معنی ہیں اور وہی پیغام ہے جو اُس آیت میں تھا: اس آیت میں جو شاہد ہے: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوا)۔

3-"الموضع الثالث": قرآن مجید میں تیسری جگہ جہاں پر ہمیں یہ ثبوت ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے وہ سورۃ الرعد کی آیت نمبر 2 ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (الرعد:2) إلى آخر الآية (آیت کے آخر تک)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): ﴿رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ﴾: ﴿بِغَيْرِ عَمَدٍ﴾: یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اٹھایا ہے بغیر ستونوں کے تو کیا اس کا مطلب ہے کیا ستون ہیں ہی نہیں؟ یا ستون ہیں لیکن ہمیں نظر نہیں آتے؟ (دو مختلف باتیں ہیں)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں اس میں اختلاف ہے مفسرین کا: بعض نے کہا کہ جو صفت ہے ﴿تَرَوْنَهَا﴾ جو ہے صفت ﴿عَمَدٍ﴾ کی، یعنی ستون تو ہیں لیکن تمہیں نظر نہیں آتے۔

اور بعض نے یہ کہا: کہ یہ ستون ہیں ہی نہیں۔

اور دوسرا قول جو ہے یہ زیادہ قریب ہے (یعنی صواب کے)، یعنی آسمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اٹھایا ہے بغیر ستونوں کے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: اگر ستون ہوتے تو غالباً ایسے ہوتے جو نظر آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کچھ ایسی چیزیں جو ہیں وہ چھپا بھی دیتا ہے اپنی مخلوقات سے کسی حکمت کے تحت جو ہے۔ اس میں یعنی دو اقوال کیوں ہیں مفسرین کے؟ وجہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو پیدا کیا ہے ہم سب جانتے ہیں، آسمان اوپر ہے اُٹھا ہوا ہے زمین سے۔ دنیا میں جب ہم چیزیں دیکھتے ہیں جو چیز زمین سے اُٹھی ہوئی ہے وہ بغیر ستون کے ممکن نہیں ہے۔ آپ ٹیبل دیکھیں اگر اس کے یہ ستون نہ ہوں تو ٹیبل کبھی بھی اُٹھی ہوئی نہیں ہو سکتی اور نہیں دیکھ سکتے آپ۔

تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾: ﴿رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ اب ذرا لفظ دیکھیں، میں اس لیے بات یہ کر رہا ہوں طالب علم کو تاکہ فائدہ ہو جائے کہ مفسرین کا اختلاف کیوں ہوا ہے؟ دیکھیں اس پر بھی اختلاف ہوا ہے ﴿بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾، نفی کر دی ہے عمد کے ستونوں کی جو تمہیں نظر آتے ہیں، یعنی ہیں تو تمہیں نظر نہیں آتے یا ہیں ہی نہیں، اب اس جملے میں آپ دونوں معنی اُخذ کر سکتے ہیں۔

﴿بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾: ﴿تَرَوْنَهَا﴾ کا تعلق عمد سے ہے یا ﴿تَرَوْنَهَا﴾ الگ ہے؟ یا تمہیں ستون نظر نہیں آتے یا ستون ہیں ہی نہیں؟ (سبحان اللہ)۔ اور جو راجح قول ہے جو شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): کہ ستون ہیں ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان عظیم آسمانوں کو بغیر ستونوں کے اٹھایا ہوا ہے یہ عظمت ہے سبحان اللہ!

شیخ صاحب یہی فرمارہے ہیں کہ ﴿تَرَوْنَهَا﴾: ﴿السَّمٰوٰتِ﴾ کی طرف بھی ہو سکتا ہے، ﴿تَرَوْنَهَا﴾: ﴿عَمَدٍ﴾ کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ ﴿رَفَعَ السَّمٰوٰتِ﴾: جو تمہیں نظر آتا ہے آسمان (نفی عمد کی کی گئی ہے)۔

اب اگر آپ ﴿تَرَوْنَهَا﴾ کو ﴿عَمَدٍ﴾ کے ساتھ جوڑتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ستون تو ہیں لیکن تمہیں نظر نہیں آتے، آسمان کی طرف لوٹاتے ہو ﴿بِغَيْرِ عَمَدٍ﴾ کی نفی ہو جاتی ہے، آسمان تو ہے (تو اس اعتبار سے)۔

جو اصل جملہ جو شاہد ہے وہ ہے ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ : پھر (یعنی اللہ تعالیٰ) عرش پر مستوی ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ شایان شان ہے (اور اس کا معنی بھی وہی ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) جو پہلے گزر چکا ہے)۔

4- چوتھی جگہ قرآن مجید میں جہاں پر ہمیں یہ ثبوت ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طہ: 5)۔

اور یہ یعنی سب سے زیادہ معروف آیت ہے جو عام طور پر اس موضوع کے تعلق سے بیان کی جاتی ہے اور یاد کرنے میں بھی آسان ہے۔ یہاں پر دیکھیں معنی وہی ہے جو گزر چکا ہے (تفصیل پچھلے درس میں گزر چکی ہے) اب چند اہم باتیں اس موضوع کے تعلق سے، کوئی اگر نئی چیز ہوتی ہے یا کوئی نیا پیغام ہوتا ہے تو شیخ صاحب اس کی وضاحت کر دیتے ہیں، اگر کوئی نئی بات نہیں ہے تو پھر جو پچھلے درس میں گزر چکا ہے وہی معنی ہے۔

اس میں دیکھیں ذرا ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ اس میں استویٰ کیا ہے؟ فعل ہے۔

﴿اَلرَّحْمٰنُ﴾: کون مستوی ہوا؟ اللہ تعالیٰ (الرحمٰن جلّ شانہ)۔ کس چیز پر؟ عرش پر۔

اب جملہ کیا ہے؟ "استویٰ الرحمٰن علی العرش" ایسا ہے نا؟ فعل، فاعل، اور پھر مفعول جو ہے شبہ الجملہ جو ہے۔

یہاں پر ﴿عَلَى الْعَرْشِ﴾ کو مقدم کیا ﴿اسْتَوٰى﴾ پر، اور ﴿اَلرَّحْمٰنُ﴾ کو اس سے بھی پہلے مقدم کر دیا۔

اب دیکھیں (سبحان اللہ) کیا وجہ ہے؟ صیغ الحصر، تخصیص کے لیے۔

یعنی عرش کے سوا اللہ تعالیٰ کسی اور چیز پر مستوی نہیں ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾: اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے کیونکہ عرش سب سے بڑی مخلوق ہے عرش سے بڑی مخلوق کوئی اور نہیں ہے (سبحان اللہ)۔

اور ﴿اَلرَّحۡمَنُ﴾ کے لفظ میں (شیخ صاحب فرماتے ہیں) اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلند بھی ہے، اور اللہ تعالیٰ بلندی اور عظمت کے ساتھ ساتھ صفت رحمت سے بھی موصوف ہے (وسیع رحمت والا ہے)۔

یعنی اپنی مخلوقات سے دور نہیں ہے، اپنے رحم و کرم سے اپنی مخلوقات کے قریب ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اس وسیع رحمت کا فائدہ یہ مخلوق بھی اُٹھاتی ہے، تمام کائنات اُٹھاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی اگر یہ رحمت نہ ہو تو یہ کائنات بھی نہ ہو (سبحان اللہ)۔

5- پانچویں جگہ قرآن مجید میں جہاں پر ہمیں یہ ثبوت ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ۛ اَلرَّحۡمٰنُ﴾ إلى آخر الآية (الفرقان:59)۔

یہاں پر بھی دیکھیں تقدیم اور تاخیر ہے اور ﴿اَلرَّحۡمٰنُ﴾ : فاعل ﴿اسۡتَوٰى﴾ ہے (جیسے پہلے گزر چکا ہے)۔

ذرا غور سے دیکھیں تین بار ایک ہی جملہ مختلف انداز سے بیان کیا جا رہا ہے کیا وجہ ہے؟ تاکہ کسی کو کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے کہ نہیں۔

یعنی میں عام بات کرتا ہوں: میں آپ کو ایک جملہ بتاتا ہوں ایک مرتبہ کہ آج صبح میں نے دودھ کا گلاس پیا ہے (مثال کے طور پر)، وہی جملہ اسی انداز میں تین دفعہ میں بتاتا ہوں۔ یہاں سے باہر جاتے ہی کوئی پوچھتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کیا کہا ہے کس نے کیا پیا ہے؟ کوئی اختلاف ہو سکتا ہے کسی کا کہ دودھ کا گلاس پیا ہے؟ سب سُن رہے ہیں اور سب جاگ رہے ہیں کوئی سو نہیں رہا ہے، سمجھ بھی رہے ہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔ ہم میں سے کوئی ایسا شخص ہے کہ جس کو اردو نہ آتی ہو؟ اب دودھ پینے کا نہ پینے کا کوئی فرق نہیں پڑے گا میں اس کو بیان کروں یا نہ کروں۔

اب ایک جملہ جب اسی جملے کو تین دفعہ یوں بیان کر دیا، دو دفعہ اور انداز سے بیان کیا کہ پیا دودھ ہی ہے اور ایک گلاس پیا ہے زیادہ نہیں پیا، کبھی دودھ کو پہلے بتا دیا، کبھی گلاس کا ذکر بعد میں کر دیا (آگے پیچھے کر دیا)۔ جو آپ نے سنا ہے اس میں مزید تاکید ہو گی کہ نہیں؟ آپ بھول سکتے ہیں اگر ایک ہفتے کے بعد یا دو دن بعد میں پوچھ لوں کہ جمعے کے دن صبح کیا پیا تھا کوئی چائے یا لسّی کہہ سکتا ہے؟ نہیں۔

وجہ کیا ہے؟ جب ہم ایک بات کو بار بار دہراتے ہیں مختلف صیغے مختلف انداز سے جو عوام ہے جو جاہل ہے، جو نہیں پڑھے لکھے جو نہیں سمجھتے جو نہیں جانتے وہ بھی جان لیتے ہیں، اور جو سمجھنے والے ہیں اس میں سے وہ چیزیں اُخذ کرتے ہیں نکالتے ہیں جو اُن کو نہیں آتیں، یہ ہوتا ہے کمال اور انداز بیان کا کہتے ہیں فصاحت اور بلاغت کی انتہا!

لیکن عجب بات یہ ہے اس کے باوجود بھی دیکھیں ﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى﴾ ابھی تک پانچ مرتبہ ہم بیان کر چکے ہیں، مختلف انداز سے بیان کر چکے ہیں: کبھی ﴿اَلرَّحۡمٰنُ﴾ پہلے ہے کبھی ﴿اَلرَّحۡمٰنُ﴾ بعد میں ہے، کبھی ﴿اسۡتَوٰى﴾ کا لفظ پہلے ہے کبھی ﴿اسۡتَوٰى﴾ کا لفظ بعد میں ہے، اور ﴿عَلَى الۡعَرۡشِ﴾ تو مسلسل ہے نا، یعنی دیکھیں:

﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى﴾(طہ:5):

﴿اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ﴾(الاعراف:54)،(یونس:3)،(الرعد:2):

﴿اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ۚ اَلرَّحۡمٰنُ﴾(الفرقان:59):

ایک ہی جملہ ہے، آپ جیسے بھی کریں معنی ایک ہی بنے گا۔ عجب بات یہ ہے کہ اس کے باوجود بھی! (آگے دو دلائل اور بھی ہیں)۔ احادیث کتنی ہیں؟ بے شمار ہیں۔ اور اگر مزید آگے دیکھیں "صفۃ العلو" اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے (جو ہم اگلے درس میں بیان کریں گے ان شاء اللہ)، ایک ہزار سے زیادہ دلیلیں ہیں اور ہر اعتبار سے: قولی بھی ہے، فعلی بھی ہے، اگر ہم قرآن کی بات کریں تو یعنی دس (10) مختلف اعتبارات ہیں۔

سنت کی بات کریں: قول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا، فعل، اقرار (یہی تین قسمیں ہیں ناسنت کی حدیث کی) یہ تینوں موجود ہیں اسی ایک موضوع کے تعلق سے، یعنی تنوع اتنے اعتبار اور طریقوں سے ہے کہ لاالٰہ الا اللہ!

عجب بات یہ ہے کہ اس کے باوجود بھی آج ایسے مسلمان موجود ہیں جو شک نہیں کرتے یقین کے ساتھ کہتے ہیں "اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، اللہ تعالیٰ عرش پر بھی ہے!"۔

اور سب سے پہلے جس نے فتنہ نکالا تھا اُس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہے ہی کہیں نہیں!

کیا کہا جہم بن صفوان نے؟ جہمی فرقہ جو تھا سب سے پہلے کیا کہا؟ اللہ تعالیٰ نہ دنیا کے اندر ہے نہ باہر ہے، نہ متصل ہے نہ منفصل ہے، نہ اوپر ہے نہ نیچے ہے، نہ دائیں ہے نہ بائیں ہے۔ تو پھر ہے کیا؟!

اگر آپ سے کوئی پوچھے، میں آپ سے پوچھتا ہوں ذرا بتائیں عدم کیا ہوتا ہے؟ عدم کی ڈیفینیشن (Definition) کیا ہے بتائیں ذرا؟ یہ وہ چیز ہے جو نہ اوپر ہے نہ نیچے ہے، نہ دائیں ہے نہ بائیں ہے، نہ اندر ہے نہ باہر ہے، نہ متصل نہ منفصل ہے۔

عجب بات دیکھیں یعنی اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) عدم بنادیا ہے اس پر اُن کو اقرار ہے! صرف ایک شیطانی وسوسہ آیا تھا کہ اگر ہم مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے تو سمت لازم آتی ہے، جسم لازم آتا ہے، حد لازم آتی ہے، یہ لازم آتا ہے وہ لازم آتا ہے!

تو عدم تو لازم آگیا نا پھر کیا کروگے؟ یہی چلے گا! دیکھا (سبحان اللہ) جب آپ علم کے نور سے دور ہوتے ہیں!

یعنی سن 128 ہجری کی بات میں کر رہا ہوں جہم بن صفوان کی جب وفات ہوئی، بہترین زمانہ ہے علم کی روشنی کا زمانہ ہے ،تابعین کی زمانہ ہے۔

اہل سنت والجماعت کا جو علم ہے یعنی سورج کی طرح عیاں اور روشن سب جانتے ہیں اس کے باوجود بھی ایک فتنہ نکلتا ہے لیکن اس زمانے میں دَب چکا تھا اور اس کا قَلع قَمع کر دیا تھا اسی وقت (الحمد للہ) لیکن جو اثرات ہیں باقی رہتے ہیں، اُس زمانے میں تو وہ رائج نہ ہو سکا لیکن آہستہ آہستہ آگے آئے پھر معتزلہ آئے ایک آزمائش تھی اہل سنت کے لیے انہوں نے اس فتنے کو لیا، پھر آہستہ آہستہ یہ فتنہ بڑھا پھر دَبا، پھر بڑھا، پھر دَبا۔

اور یہ فتنے تو رہیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ ہم لوگ کہاں پر ہیں؟!

دیکھیں قبر میں مجھ سے جہم بن صفوان کا یا فلاں یا فلاں کا نہیں پوچھا جائے گا اپنی قبر میں میں خود جوابدہ ہوں۔ اپنے والدین کا جوابدہ نہیں ہوں میں، نہ کسی پیارے کا، نہ بیوی کا نہ بچے کا، اُس وقت میں کیا جواب دوں گا؟

یا اس دنیا میں میں آیا ہوں اور چلا گیا ہوں مجھے یہ نہیں پتہ میرا ربّ کہاں ہے عجب بات ہے کہ نہیں؟! مجھے ہر چیز کا پتہ ہے یعنی جس کا پتہ نہیں ہونا چاہیے وہ بھی پتہ ہے!

اب ایک چھوٹا بچہ بھی موبائل اٹھاتا ہے یہ جو اسمارٹ فون کہتے ہیں وہ اس پر کمال کرتب دکھاتا ہے بھئی اس موبائل میں لیکن عجب بات یہ ہے کہ پروفیسر ہیں، بڑی بڑی ڈگریاں ہیں اور بڑے بڑے عہدے ہیں، آج تک نہیں پتہ چل سکا کہ اُس کا ربّ کہاں ہے! واپس آتے ہیں آخر میں چند باتیں کرتے ہیں ان شاءاللہ۔

6- چھٹی جگہ قرآن مجید میں جہاں پر اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ﴾ (السجدۃ:4) إلي آخر الآية۔

اس آیت میں بھی دیکھیں وہی پیغام ہے جو پہلے گزر چکا ہے لیکن اس میں ایک جملہ جو ہے یا ایک لفظ زیادہ ہے، یعنی معنی وہی ہے جو سورۃ الاعراف اور سورۃ یونس میں پہلے گزر چکا ہے: ﴿وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ (آسمانوں اور زمین کے جو بیچ میں ہے)، اور عظیم مخلوقات ہیں شیخ صاحب فرماتے ہیں (بہت عظیم مخلوقات ہیں)، آسمانوں اور زمین کے برابر یا اس سے زیادہ عظیم مخلوقات ہیں، اور یہ مخلوقات جو ہیں ان میں سے کچھ ہم جانتے ہیں جیسا کہ سورج ہے، چاند ہے، تارے ہیں، بادل ہیں، اور کچھ ایسی چیزیں ہیں جو ہم نہیں جانتے مجہول ہیں۔

7- ساتویں جگہ قرآن مجید میں جہاں پر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (الحدید:4) إلي آخر الآية۔ اس آیت میں بھی وہی پیغام ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔

یہ سات مختلف جگہیں ہیں قرآن مجید میں اور ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور حرف جَر جو بیان ہوا یہاں پر وہ حرف ﴿عَلَى﴾ ہے۔

اب اصل آتے ہیں یہ جو لفظ ہے اس کا معنی کیا ہے استویٰ کا؟ یہ لفظ کہاں سے آیا ہے؟ اس کی روٹ (Root) جو حروف ہیں وہ کیا ہیں؟ اصل جو اس کلمے کا مادہ ہے وہ کیا ہے؟

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): علماء یہ کہتے ہیں کہ استویٰ کا جو اصل مادہ ہے تین حروف ہیں "س و ي" اور اس کا معنی ہے کمال کا ("سین، واؤ، اور یاء" کا عربی زبان میں کمال کا معنی موجود ہے ہم صرف "استویٰ" (سویٰ) کی بات کر رہے ہیں، "سین، واؤ، یاء" عربی زبان میں اگر بغیر کسی حرف جَر کے ہو تو اس کا معنی کمال کا ہوتا ہے)، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى﴾ (الأعلیٰ:2): اب ﴿فَسَوّٰى﴾ میں دیکھیں یہی لفظ ہے یعنی اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے اور پھر کامل طریقے سے اور کمال اعتبار سے پیدا کیا ہے، تو یہ تین حروف جو ہیں ان میں کمال کی دلالت موجود ہے۔

اور پھر عربی زبان میں چار طریقوں سے بیان ہوا ہے یہ لفظ جو ہے (اور مزے کی بات ہے تقریباً یہ چاروں طریقے موجود ہیں قرآن مجید میں تقریباً، یا کم سے کم تین ضرور ہیں)، یہ چار طریقے کیسے ہیں:

1-"معداة بـ (إلى)": یا تو إلی کے حرف کے ساتھ ہو گا ﴿اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ﴾ (فصلت:11)۔

2-یا حرف جَر "عَلَى": ﴿اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (الحدید:4) جیسے ہے۔

3-یا واؤ کے ساتھ جیسا کہ عربی محاورہ ہے "اسْتَوَى الماءُ والخشبةَ"، جس میں برابری کا معنی ہے، جب آپ لکڑی پانی میں ڈالتے ہیں تو سطح جو ہے لکڑی اور پانی کے برابر ہو جاتی ہے تو عربی میں کہا جاتا ہے "اسْتَوَى الماءُ والخشبةَ"۔

4-اور چوتھا جو ہے بغیر حرف جَر کے جیسا کہ ﴿الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى﴾۔

إلی کا کیا معنی ہے؟ عَلَى کا تو ہم جان چکے ہیں پہلے اب باقی جو تین ہیں:

جب إلی کے حرف جَر سے استویٰ کا لفظ بیان ہو تو مفسرین اس کے دو معنی لیتے ہیں:

(۱) بعض مفسرین نے یہ کہا ہے إلى السماء اور عَلَى السماء ایک ہی معنی ہے کوئی فرق نہیں ہے، اور ابن جریر الطبری رحمہ اللہ نے تفسیر میں یہی معنی لیا ہے کہ جہاں پر عَلَى السماء اور إلى السماء ہے تو وہ فرماتے ہیں کہ ایک ہی معنی ہے: یعنی "ارتفع إلي السماء" (آسمان پر بلند ہوا)۔

(۲) اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ جب حرف الجر إلی کے ساتھ استویٰ کا لفظ بیان ہو تو اس کا ہوتا ہے "القصد الكامل" (اللہ تعالیٰ نے قصد کامل فرمایا عرش پر مستوی ہونے کا): یعنی: "استوى إليها؛ أي: قصد إليها قصداً كاملاً": اور انہوں نے یہ کہا ہے وجہ یہ ہے کہ إلی اور عَلَى دونوں کی دلالت میں فرق ہے: "عَلَى" بلندی کے لیے ہوتا ہے اور "إلى" قصد کے لیے ہوتا ہے (معنی یہ ہے)۔

اور یہ دوسرا معنی جو ہے اسے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تفسیر میں لیا ہے: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ﴾ "أي: قصد إلى السماء" (فصلت:11)۔ یعنی عربی زبان میں (ہم بات یہ کر رہے ہیں) استویٰ کا لفظ جو ہے اس کے کیا معنی ہیں۔ پھر "المقرونة بالواو" واؤ کے ساتھ، جیسا کہ "استوى الماء والخشبة": یعنی دونوں برابر ہوئے۔

اور بغیر حرف جَر کے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى﴾ (الاعلی:2) اور ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى﴾ (القصص:14)، یعنی: "كمل" (اور کمال کو پہنچا)۔

یہ چار معنی ہیں میرا ایک سوال ہے شیخ صاحب نے یہ چار معنی کیوں بیان کیے ہیں؟ یعنی پانچواں معنی نہیں ہے اس کا عربی زبان میں استویٰ کا؟ استولیٰ کا معنی ہے کہیں پر استولیٰ (قابض ہوا)؟

یعنی عربی زبان کی دلالت میں یہ معنی موجود ہی نہیں ہے، جب بھی بیان ہوا ہے لفظ "استویٰ" تو ان چار طریقوں سے بیان ہوا ہے۔

اور آپ دیکھیں کہ عربی لغت میں یعنی قرآن مجید سے پہلے بھی جب لغت استعمال ہوتی تھی عربی زبان اس میں بھی یہ معنی موجود نہیں تھا استولیٰ کا، اس لیے انہوں نے جب یہ معنی لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قابض ہوا ﴿اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ استولیٰ کا معنی لیا معتزلہ نے، تو اہل سنت نے یہی اعتراض پیش کیا سب سے پہلے "بھئی یہ تو ثابت کرو کہ یہ شعر ہے کسی عربی کا عربی میں تو معنی ہی نہیں بنتا یہ کہیں پر؟!"۔

کیونکہ عربی زبان میں جب یہ دیکھا گیا ہے استویٰ کے لفظ کو اور اس کے مادے کو دیکھا گیا ہے تو اس میں قابض ہونے کا معنی موجود ہی نہیں ہے استولیٰ کا معنی موجود ہی نہیں ہے۔ آپ کہتے ہیں کسی عربی کے شعر میں آگیا ہے تو پہلے ثابت کرو یہ بندہ عربی ہے اس کی سند ہمیں دکھاؤ؟ سند ہی نہیں ہے۔

ہم تو حدیث نہیں مانتے بغیر سند کے آپ ہمیں ایک شعر کا ٹکڑا دکھا رہے ہو اور ہمیں یہ کہتے ہو کہ ہم یہ مان لیں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق سے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی نہیں ہے! اسماء وصفات کے تعلق سے یعنی توحید کا تیسرا حصہ ہے اور آپ کہتے ہیں کہ بغیر ثبوت کے مان لیں ہم یہ کیسے ممکن ہے؟!

اس لیے آپ دیکھیں کہ جو دلالت اہل سنت والجماعت نے لی ہے وہ بہت ہی زیادہ قوی اور مضبوط ہے، ہر اعتبار سے دیکھ لیں آپ! دیکھیں اہل سنت والجماعت یہ نہیں کہتے کہ عقل سے فارغ ہو جاؤ، وہ کہتے ہیں کہ عقل کو شریعت کے اصولوں پر تول کر بات کرو، یہ فرق ہے۔ وہ کہتے ہیں: "نہیں، ہم شریعت کو تولتے ہیں عقل پر"، اُلٹا دیکھا ہے! کہتے ہیں: "عقل کیسے مانتی ہے عقل تو کہتی ہے کہ سمت لازم آتی ہے!"۔

کیا اِن لوگوں نے عقل کو شریعت کے ترازو پر تولا ہے یا شریعت کو عقل کے ترازو پر تولا ہے؟ اُلٹا ہے نا! اگر تھوڑا سا آپ یہاں پر رکیں اور آپ یہ دیکھیں کہ آپ بات کیا کر رہے ہیں اور کس کے تعلق سے بات کر رہے ہیں! میرے بھائی کوئی ہمارے والدین کے تعلق سے غلط بات کرے تو ہم برداشت کریں گے؟

آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق سے بات کر رہے ہیں اور عقل کو بیچ میں لا رہے ہیں ایسے معاملے کے تعلق سے جہاں پر عقل کا کام ہی نہیں ہے!

عقل کا کام یہ ہے کہ جو انسٹرکشنز (Instructions)، تعلیمات دی گئی ہیں پیروی کرنی ہے، کوئی اور راستہ ہے نہیں ورنہ جانور اچھا ہے کہ نہیں؟! اللہ تعالیٰ کیا فرمایا ہے قرآن مجید میں؟ ﴿اِنۡ هُمۡ اِلَّا كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ﴾ (یہ جانوروں جیسے ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں) (الفرقان:44)۔ اور لفظ ﴿اَضَلُّ﴾ ہے: گمراہ (سبحان اللہ)۔

وجہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جانور کو وہ عقل نہیں دی جو انسان کی عقل ہے (سمجھ والی، بوجھ والی، تکلیف والی وہ نہیں ہے) لیکن وہ عقل ہے کہ وہ اپنی زندگی میں دنیا میں آسانی سے زندگی گزار کر جاتے ہیں۔ گائے کو پتہ ہے کہ اس نے گھاس کھانی ہے گوشت نہیں کھانا اس نے۔ کس نے کہا ہے بھئی تم نے گھاس کھانی ہے؟ کھا سکتی ہے گوشت کبھی؟ بھوکی مر جائے گی گائے کبھی گوشت کھا سکتی ہے؟! نہیں کھا سکتی، اُس نے دودھ ہی دینا ہے (سبحان اللہ) لیکن اپنے ربّ کے احکامات کے سامنے اُس کا سَر جھکا ہوا ہے۔

انسان نے کہا، نہیں! میری عقل ہے اور میں اپنی عقل سے وہ ثابت کرنا چاہتا ہوں جو کسی اور نے ثابت نہیں کیا ہے!

اور ٹھیک ہے دنیاوی تمدن میں آپ نئی چیزیں ایجاد کریں کیا مسئلہ ہے؟! اللہ تعالیٰ نے منع نہیں کیا کہ آپ دنیا میں ترقی نہ کریں۔ بدعت جو ہے (مزے کی بات دیکھیں) دنیا کے اُمور میں بدعت اچھی ہے، دین میں قابل مذمت ہے: "مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ"۔

اچھا "أَمْرِنَا هَذَا" نہ ہو تو ردّ ہے وہ؟ وہ ردّ نہیں ہے، دنیا کی ترقی سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں نہیں روکا ہے ﴿وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ﴾ ((کافروں کے لیے) تیار کرو اپنی استطاعت کے مطابق طاقت (اسلحہ)) (الانفال:60)۔ ﴿قُوَّةٍ﴾: آپ نے جہاد کرنا ہے دفاع کرنا ہے اٹیک (Attack) کرنا ہے، جو بھی آپ کے پاس میسر طاقت ہو اُس کے مطابق آپ کریں۔

بغیر نئی ایجادات کے دنیا کے تعلق سے بدعت نئی چیز کو کہتے ہیں نا (میں بدعت کا لفظ استعمال کر رہا ہوں دنیا کے اعتبار سے) اس کے بغیر ممکن ہے کیا؟ ممکن نہیں ہے۔ عقل یہاں پر تو اچھی لگتی ہے نا (کام یہی ہے اُس کا) لیکن اللہ تعالیٰ کے دین کے تعلق سے اور پھر اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق سے وہاں تک جانا! إنا لله وإنا إليه راجعون۔

صحیح بات ہے یعنی ایسی عقل جو بہت بڑا انعام اور احسان ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بندے کے لیے اگر یہی عقل یہی انعام، یہی جو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور بڑی نعمت ہے یہ نقمت بن جائے اور (نعوذ باللہ) اس بندے کو جہنم رسید کر دے تو اس کا فائدہ کیا ہے؟!

اس لیے کافر کیا کہے گا قیامت کے دن؟ ﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ (النبا:40): یہ اپنے آپ کو سامنے دیکھے گا حساب کا وقت آگیا ہے پہلے حساب ہو گا جانوروں کا اور حساب ہو گا "بدلہ"، جس جانور نے کسی جانور پر دنیا میں ظلم کیا ہے، اور مثال دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ سینگ والا جانور ہے بغیر سینگ والے کو سینگ مارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس جانور کو سینگ دے دے گا وہ اپنے سینگوں سے اس کو مارے گا بدلہ پورا ہو جائے گا پھر سب مٹی ہو جائیں گے۔

یہ کافر دیکھ رہا ہے اپنی آنکھوں کے سامنے یہ معاملہ کہ کس طریقے سے بدلہ ہو رہا ہے، اب ان کا کوئی حساب نہیں ہے وہ مٹی ہو گئے ہیں اب اُس کی باری ہے حساب دینے کی، جہنم سامنے ہے! دیکھیں کھولتی ہوئی جہنم سامنے ہے ستّر ہزار لگام ہے، ہر لگام پر ستّر ہزار فرشتہ مقرر ہے کتنی عظیم ہو گی وہ! تو پھر ایک ہی جملہ کہے گا ﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ تمنا ہے! مطلب کیا ہے؟ دنیا میں انسان ہوتا میں؟! (سبحان اللہ) کتنی بڑی بات ہے!

آج سُن رہے ہو نا، یہ کافر آج بھی سُن رہا ہے۔ قرآن مجید نہیں پڑھ رہا اُس کو پتہ نہیں ہے؟! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب یہ آیت نازل ہوئی ابو جہل نے جب سُنی، اور مشرکین نے جب سُنیں یہ آیات ﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ کیا اُس کو عقل آئی سمجھ آئی؟! إنا لله وإنا إليه راجعون۔

دیکھیں انسان کوشش کرتا ہے ایک قدم حق کے قریب جاتا ہے واللہ اللہ تعالیٰ اسے توفیق دیتا ہے وہ اپنے آپ کو دَس قدم آگے دیکھتا ہے، لیکن جو ہٹ دھرمی سے کام لیتا ہے اور حق کو دیکھ کر منہ موڑتا ہے تو آہستہ آہستہ جیسے وہ دور ہوتا ہے اُس کے دل پر مہر لگتی جاتی ہے!

اس لیے دل کا معاملہ بڑا نازک معاملہ ہے خاص خیال رکھنا ہے دل کا، اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہے جب چاہے جیسے چاہے پھیر دے، اور سب سے پیاری دعا دل کی ثابت قدمی کے لیے: ''اللَّهُمَّ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ''۔

واپس آتے ہیں، تو یہ چار طریقے ہیں استویٰ کے لفظ کو بیان کرنے کے لیے جس میں استولیٰ کا لفظ ہے ہی نہیں معنی بنتا ہی نہیں ہے۔ اور پھر یہ بھی کہا گیا ہے (مزے کی بات ہے) کہ جو الأخطل کی طرف یہ شعر منسوب ہے وہ نصرانی تھا (کرسچن تھا یہ بندہ)۔

اب ایک بندہ ہے جو مسلمان ہی نہیں ہے، اگر اس کا شعر بھی مان لیا جائے اور اسی کا ہی مان لیا جائے تو پھر تو وہ کرسچن (Christian) تھا اب کرسچن کی بات کو دلیل ہم مانیں گے؟! یعنی قرآن اور سنت کے نصوص کو چھوڑ کر ایک کرسچن شخص کے لفظ کو لے کر ہم تحریف کریں گے قرآن مجید کے لفظ کی؟! تحریف ہے نا! استویٰ کو بدل کر استولیٰ کر لو تحریف ہے کہ نہیں؟! (سبحان اللہ)۔ وجہ کیا ہے؟ صرف اپنی ہواء، خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے اندھے ہو جاتے ہیں بعض لوگ اور من و عن سے شیطان کے راستے کو اپناتے ہوئے اس کی بات کو مان لیتے ہیں (نعوذ باللہ)۔

آخر میں تنبیہ: شیخ صاحب فرماتے ہیں تنبیہ ہے: اگر ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور استویٰ کا معنی "علا" ہے (یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہوا) تو ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کیا ہے پھر عرش پر مستویٰ ہوا ہے "ثُمَّ" کا لفظ ہے (پھر عرش پر مستوی ہوا) کیا اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کو پیدا کرنے سے پہلے علو پر تھا (بلندیوں پر تھا) کہ نہیں؟

اس کے جواب میں یہ لازم نہیں ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کیونکہ ''الإستواء على العرش'' جو ہے وہ خاص ہے، مطلقاً علو عام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ بلندیوں پر ہے اور جب عرش کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو پھر عرش پر مستوی ہوا۔ تو بلندی میں کوئی فرق تو نہیں پڑا نا!

مخلوقات ہیں ہی نہیں اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے، اللہ تعالیٰ ان مخلوقات کو پیدا کیا، آسمانوں کو پیدا کیا پھر بھی بلندی پر ہے، عرش کو پیدا کیا پھر بھی بلندی پر ہے۔ تو پھر عرش کے ذکر کی ضرورت کیا ہے؟ ایک علو مطلق ہے ہمیشہ کے لیے (ایک علو عام ہے جو ہمیشہ کے لیے ہے)، ایک علو خاص ہے کہ عرش پر مستوی ہوا۔

اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر ہے اس لیے کئی آیات میں اور احادیث میں کیا آیا ہے؟ آسمانوں کے اوپر ہے اور عرش جو ہے وہ سب تمام آسمانوں سے اوپر ہے اور اللہ تعالیٰ عرش سے اوپر ہے۔ تو مطلق علو تو باقی ہے نا!

یعنی اس سے جنہوں نے انکار کیا ہے (یہ باتیں کیوں ہو رہی ہیں؟ کیونکہ لوگوں نے کئی چور راستے ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے عقلی دلائل سے، اِدھر سے اُدھر سے ہر جگہ سے مار کھائی ہے) انہوں نے کہا کہ اچھا جب عرش نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کہاں تھا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی﴾ (اب ثُم کو پکڑا ہے!) اچھا استویٰ سے پہلے بلندی پر تھا کہ نہیں تھا؟ ورنہ تو بلندی پر نہیں تھا جب پیدا کیا پھر بلندی پر ہوا (علو کے منکر جو ہیں)۔

یعنی ایسی بات کہاں سے؟! جیسے وکیل جو ہوتا ہے نا (اللہ رحم کرے)!

بعض وکلاء جو ہیں اُن کو پتہ ہوتا ہے کہ اس بندے نے چوری کی ہے اب اس کو ڈیفنڈ (Defend) کرنے میں یا مجرم کے جرم کو ختم کرنے کے لیے پیسہ لیا ہوتا ہے (سب نہیں بعض ایسے ہیں، سب بُرے نہیں ہیں) تو کیا کرتے ہیں؟ ایک لفظ کو پکڑ لیتے ہیں لفظی بحث شروع ہو جاتی ہے اور کیس خارج ہو جاتا ہے اور وہ بندہ (مجرم) بَری ہو جاتا ہے۔

اور کچھ ایسے لوگ ہیں جو باطل کا دفاع کرتے کرتے وہ لفظوں کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ کسی لفظ میں کچھ مل جائے، واللہ ان کو لفظ میں بھی کچھ نہیں مل سکا!

استویٰ، استویٰ کو دیکھ لیں آپ، اب ﴿ثُمَّ﴾ (پھر): اب پھر کی بات کیوں آئی ہے پھر؟ آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے" پھر" عرش پر مستوی ہوا ہے تو اُس سے پہلے کہاں تھا اللہ تعالیٰ؟ کیا اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے عرش پر مستوی نہیں تھا پھر بعد میں مستوی ہوا؟ یا آسمانوں پر بلندی پر نہیں تھا پھر بعد میں بلندی پر ہوا؟ اِس سے اُس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے! پھر انہوں نے یہ بھی کہا ہے:

(۱) کہ اللہ تعالیٰ خلق کو پیدا کرنے سے پہلے خالق تھا کہ نہیں؟! جو خلق تو نہیں پھر خالق کیسا ہے؟! کیونکہ خالق اسم فاعل ہے، فاعل فعل کرے گا تو پھر متصف ہو گا (سبحان اللہ)۔

(۲) اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے (متکلم) بات وہ کرتا ہے جو بات کرتا ہے تو جب اللہ تعالیٰ نے کلام نہیں کیا تب متکلم تھا کہ نہیں تھا؟

(۳) جب اللہ تعالیٰ نے آسمان کو پیدا ہی نہیں کیا جب بلندی تھی ہی نہیں آسمان ہو گا تو بلندی آئے گی تو اللہ تعالیٰ اُس وقت کہاں تھا؟

یہ کوئی سوال ہیں کرنے والے ؟! واللہ میں حیران ہوتا ہوں یہی آیات جب نازل ہوئیں صحابہ پر کسی ایک صحابی نے یہ اعتراض اُٹھایا یا کچھ ایسی بات کی کہ مطلب کیا ہے ؟!

عربی زبان جس کو سمجھ آگئی اُس کو بات ہی ختم ہے۔

آپ اردو میں، کسی اور زبان میں جب واضح بات کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے جب آپ کو اردو آ رہی ہے تو بات پوچھیں گے اس کے علاوہ کچھ اور ؟انسان کب سوال کرتا ہے ؟جب کوئی مبہم چیز ہوتی ہے جب چیز سمجھ میں نہیں آتی پھر سوال تو کرتا ہے نا۔

ہمارا تو اتفاق ہے اس بات پر نا کہ صحابہ جو ہیں وہ سب سے عظیم طلاب علم ہیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، عظماء ہیں براہ راست علم حاصل کیا ہے نا۔ سب سے عظیم معلم اور سب سے عظیم طلاب علم یہی ہیں نا؟ اگر آپ کسی بھی طالب علم کو دیکھ لیں دور حاضر میں کہتے ہیں کیا کمال کا طالب علم ہے اتنی محنت کرتا ہے تیاری کر کے آتا ہے، آگے بیٹھتا ہے سنتا ہے، کوئی چیز سمجھ نہیں آتی تو فوراً پوچھتا ہے۔ باقی طلاب اس سے متاثر ہوتے ہیں، اُس سے جا کر پوچھتے ہیں کہ اُن کو پتہ ہے۔

عام کلاس میں دیکھ لیں دنیا میں جو ٹاپر (Topper) ہوتے ہیں تو جو عام اسٹوڈنٹ (Student) ہوتے ہیں وہ اُن کے زیادہ قریب ہوتے ہیں تاکہ کچھ مسئلہ ہو مشکل ہو تو وہ سمجھاتے ہیں پھر اور اُن سے دوستی لگاتے ہیں۔

بات یہ نہیں کہ آپ کتنے زیادہ جینیئس (Genius) ہیں بات یہ ہے کہ کتنی محنت بھی کرتے ہیں۔

اب صحابہ کو چار چاند لگ گئے ہیں (سبحان اللہ) آپ دیکھیں: عظیم بھی ہیں، اور سمجھدار بھی ہیں، اور محنت کرنے والے بھی ہیں، وقت لگانے والے بھی ہیں، جدوجہد کرنے والے بھی ہیں، اور ساتھ سب سے بڑے متقی و پرہیزگار بھی ہیں انہوں نے کبھی یہ سوال کیے ہیں ؟!

استاد آپ کو کوئی چیز سمجھا رہا ہے آپ سمجھ بھی نہیں رہے خاموش بھی ہیں اور پھر آپ کے ذمے بہت بڑی ایک ذمے داری ہے کہ آپ نے آگے جا کر پیغام پہنچانا ہے اور آپ بیٹھے ہیں آپ کو سمجھ بھی نہیں آ رہی ممکن ہے کبھی! عقل کے کسی کونے سے دیکھ لو ممکن ہے یہ! واللہ سوال نہیں پیدا ہوتا!

اس لیے یہ جتنی بھی اب شیخ صاحب یہاں باتیں بیان کر رہے ہیں اگر یہ بات ہے تو پھر یعنی یہ باتیں ہوئی ہیں اور یہ ایک پیارا انداز ہے سمجھانے کے لیے کیونکہ طالب علم کو آگے جو یہ مشکلات درپیش آئیں گی دعوت میں تو آپ کے پاس پہلے سے اس کا ردّ موجود ہو۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: اب یہ پتہ چل گیا اللہ تعالیٰ کا علو مطلق ہے ہمیشہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہیں آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پہلے بھی، جب پیدا کیا تب بھی، جب عرش کو پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے پھر عرش پر مستوی ہوا، اور یہ بلندی جو ہے خاص بلندی ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اگر آپ یہ کہیں آیت کریمہ سے ہمیں یہ سمجھ آتی ہے کہ جب پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو عرش پر مستوی نہیں تھا لیکن آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پہلے کیا عرش پر مستوی تھا یا نہیں؟ وہی بات ہے: شیخ صاحب فرماتے ہیں "الله أعلم بذلك" (اللہ بہتر جانتا ہے)۔

آخری سوال شیخ صاحب فرماتے ہیں: اگر آپ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا جو ہے وہ صفات فعلیہ ہیں یا ذاتیہ ہیں کون سی صفت ہے؟ صفات فعلیہ ہیں کیونکہ "تتعلق بمشيئته": پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا عرش پر مستوی ہوا۔

اور قاعدہ کیا ہے؟ جس صفت کا تعلق مشیئت سے ہو چاہت سے ہو تو وہ فعلیہ ہے، اور جس صفت کا تعلق مشیئت سے نہ ہو تو وہ صفت ذاتیہ ہے۔

اب علم کی صفت ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متصف ہے۔ زندگی (الحیاۃ) سارے، اور محبت کرنا غصہ کرنا، راضی ہونا ناراض ہونا، یہ سب کیا ہیں؟ ان کا تعلق مشیئت سے ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو کسی پر ناراض ہوتا ہے یہ کیا ہے؟ جب کوئی نافرمانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اس نافرمانی سے۔ تو جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے پھر ناراض ہوتا ہے تو یہ کون سی صفت ہے؟ صفت فعلیہ ہے۔

یہ چند اہم باتیں ہیں اس موضوع کے تعلق سے اگلے درس میں ہم ان شاءاللہ بیان کریں گے "إثبات علو الله سبحانه وتعالىٰ على مخلوقاته": اللہ تعالیٰ کی صفت علو کا بیان۔

فرق کیا ہے استواء علی العرش اور علو کا؟ معنی بلندی کا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے۔

جب انہوں نے کہا کہ جب عرش نہیں تھا تو پھر تب کیا تھا؟ تو کیا نہیں تھا؟ تو کیسے تھا؟ اب اگلے درس میں دیکھیں گے اب ایک تو خاص اللہ تعالیٰ کا علو ہے کہ عرش سے بھی اوپر ہے، "استواء علی العرش" الگ سے صفت ہے جس میں صفت العلو بھی شامل ہے لیکن صفت العلو جو ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندیوں پر ہے اگلے درس میں دیکھیں گے اس کے تعلق سے بھی چند اہم باتیں کریں گے اور تقریباً چھ مختلف آیات میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمایا ہے اور اگلے درس میں ان شاءاللہ اس کے تعلق سے بات کریں گے۔

ان سات میں سے ایک آیت ایسی ہے جو مخالفین کے رد کے لئے بہت قوی ہے، (ویسے تو طالب علم کو چاہیے کہ ساری یاد رکھیں، جتنے بھی یہ دلائل ہیں سارے کے سارے یاد رکھیں لیکن جتنی آیات بیان کی ہیں) اگر آپ سے یہ کہا جائے کہ ان میں سے ایک آیت آپ نے یاد کرنی ہے (طالب علم کے لیے) ایک تو آسان ہے جو میں نے کہا ہے سورۃ طہ کی آیت ﴿اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى﴾ (طہ:5): آپ کو بھی آتی ہے نا۔ اِن میں ایک ایسی آیت ہے اگر آپ وہ یاد کر لیں تو ان شاءاللہ "صفت العلو، صفت الاستواء علی العرش، اور المعیۃ" یہ تمام چیزیں آپ کو فوراً یاد ہو جائیں گی کون سی اِن میں سے ہے پتہ ہے؟ سورۃ الحدید آیت نمبر 4:

﴿هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ‌ؕ يَعۡلَمُ مَا يَلِجُ فِى الۡاَرۡضِ وَمَا يَخۡرُجُ مِنۡهَا وَمَا يَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعۡرُجُ فِيۡهَا‌ؕ وَهُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ﴾

(الحدید:4)

اس میں دیکھیں ذرا سب موجود ہے:

﴿هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ﴾: عرش پر مستوی ہونے کا ہو گیا ہے دلیل آ گئی ہے۔

﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا﴾: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور زمین سے خارج ہوتی ہے۔

﴿وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا﴾: جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو نیچے سے آسمان کی طرف اوپر جاتا ہے۔

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾: اعتراض کس چیز پر آیا ہے؟ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ وہ ہمیشہ تمہارے ساتھ ہے (یہاں سے دلیل لیتے ہیں)۔

ہم نے کہا ہے کہ اس آیت کو پورا پڑھ لو آپ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے دلیل مل گئی ہے کہ اپنی ذات سے عرش پر مستوی ہے، اپنے علم سے اپنے رحم و کرم سے فضل و کرم سے ہر جگہ موجود ہے۔

اب دیکھیں ﴿ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ﴾ کے بعد پھر لفظ دیکھیں يَعْلَمُ کتنی مرتبہ ہے؟ ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا﴾، ﴿وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا﴾ پھر فرمایا: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾، اور آخر میں ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾: اپنے علم سے اپنے احاطے سے، دیکھنے سے سننے سے، مدد سے اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے سب کے ساتھ ہے۔ تو اسی ایک ہی آیت میں آپ نے واضح دلیل کر دی ہے اور یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طریقے سے بیان فرمایا ہے۔

اگر اس آیت سے آپ یہ لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے تو بہت بڑی غلطی آپ کو لگی ہے، بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے تو عرش پر مستوی جیسا کہ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں۔

یعنی اہل سنت والجماعت جب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے عرش پر مستوی ہے اور اپنے علم سے اور احاطے سے ہر جگہ موجود ہے تو کہاں سے لیتے ہیں؟ یہ دلیل ہے، اس دلیل کی بنیاد پر یہ کہتے ہیں۔ اگر وہ یہ بات نہ کرتے ہم بھی نہ کرتے لیکن جب آپ اعتراض کرتے ہیں اور بد عقیدگی پھیلاتے ہیں اور غلط معنی نکالتے ہیں اپنی مرضی کے مطابق اور اسے ثبوت کے طور پر پھر بیان بھی کر دیتے ہیں پھر تو خاموشی اختیار نہیں کی جا سکتی پھر تفصیل آتی ہے اور تفصیل

میں ہمیشہ اہل بدعت نے مار کھائی ہے اب اُن کے پاس کوئی جواب نہیں ہے! کیونکہ ناممکن ہے یہ کہ عرش پر مستوی بھی ہے، وہ خوب جانتا بھی ہے، اور تمہارے ساتھ بھی ہے جہاں پر تم ہو!

اس سے کیا لازم آتا ہے کہ ہر جگہ موجود ہے عرش پر بھی ہے فرش پر بھی ہے؟! پھر علم کا لفظ کیوں ہے بار بار؟! تفصیل ہے: (۱) زمین سے نکلنا، کیا نکل رہا ہے یہ جانتا ہے۔ (۲) کیا داخل ہو رہا ہے یہ جانتا ہے ("علم، علم، علم" چار مرتبہ)۔ (۳) آسمان سے کیا اُتر رہا ہے، آسمان کی طرف کیا اوپر جا رہا ہے یہ بھی جانتا ہے، یہ بھی جانتا ہے، یہ بھی جانتا ہے، اور آخر میں ﴿بَصِيرٌ﴾: علم ہے احاطہ ہے۔

تو آپ سیاق وسباق کو جب دیکھتے ہیں تو معنی لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ نہیں! اس سے سمت لازم آتی ہے، یہ لازم آتا ہے وہ لازم آتا ہے، یہ لوازمات تمہاری عقل کی خرابی کی وجہ سے ہیں۔

اور کس طریقے سے آپ جو ثابت معنی نص میں موجود ہے آپ اسے توڑ کر یا موڑ کر آپ اپنی مرضی کے مطابق معنی نکالنا چاہتے ہیں؟! تو ممکن نہیں ہے!

تو یہ آیت جو ہے سورۃ الحدید آیت نمبر 4 اسے یاد کر لیں اور اِن شاء اللہ اس میں واضح پیغام ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ بھی ہے ہم جہاں پر بھی ہیں لیکن وہ ہے عرش پر مستوی سبحانہ وتعالیٰ (كما يليق بجلاله جل شانه)۔

((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لا إِلهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (51.العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔

mp3 Audio